Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 2 (Oct-Dec 2023)
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

برصغیر میں دورِ جدید سے قبل مسلم خواتین کی تبلیغ واشاعتِ دین

Propagation and Dissemination of Islamic Tenets among Contemporary Muslim Women in the Subcontinent

Dr. Ahmad
Assistant Professor of Islamic Studies, Punjab University of Technology Rasul Mandi Bahauddin
drche313@gmail.com

Saba Yousuf
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, The University of Lahore: drsaba313@gmail.com

Kamran Ali
M. Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Minhaj University Lahore: kamranalisultani123@gmail.com

Abstract

This article investigates the historical role of Muslim women in the Subcontinent in the pre-modern era, specifically focusing on their contribution to the dissemination and advocacy of Islam. The central tenet of their efforts lies in the active promotion of the monotheistic faith, rooted in the conviction that Prophet Muhammad (Peace and Blessings of Allah be upon him) serves as the final Messenger of Allah Almighty.

CC BY

Conducted as a narrative research study, the exploration delves into the nuanced involvement of women across both domestic and professional spheres in the propagation of Islam. Within households, women played a pivotal role in instilling values such as Jihad, with mysticism representing a substantial facet. It is noteworthy that a significant portion of Islamic propagation in the Indian Subcontinent can be attributed to the concerted endeavors of Sufis. Underlining the significance of upholding correct faith, adhering to religious practices, and practicing equitable treatment of others, these principles were considered integral alongside the acceptance of true faith. As Islam took root in the Subcontinent, influential Muslim women strategically utilized their positions to contribute to social welfare. This encompassed the establishment of religious centers, places of worship, and the facilitation of the translation and commentary on Scriptures through their official capacities. Through written correspondence, authored books, and preaching within women's circles, these empowered women played a pivotal role in advancing Islamic teachings.

Keywords: Monotheism, Mysticism, Prophet, Scripture, Social Welfare

بر صغیر میں کئی ادیان کے پیروکار پائے جاتے ہیں۔ یہاں اسلام سے پہلے سے ہندو مت، بدھ مت اور جین مت رائج تھے۔ سکھ مت اور مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت بعد میں زور و شور سے شروع ہوئی۔ دین اسلام کی تعلیمات ان تمام ادیان سے مختلف ہے۔ دین اسلام کی اشاعت کا بنیادی نکتہ توحیدِ باری تعالیٰ ہے۔ مردوں کی

CC BY

طرح مسلمان خواتین نے بھی توحیدِ باری تعالیٰ اور رسالتِ محمدی ﷺ کی طرف دعوت دی۔ نو آبادیاتی دور سے پہلے برصغیر میں قدیم دور رائج تھا۔ پہلی صدی ہجری سے ہی دین اسلام کی برصغیر میں تبلیغ اور اشاعت کا آغاز ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مسلمان غالب ہوتے گئے، حتیٰ کہ یہاں مسلمانوں کی مرکزی حکومت قائم ہو گئی۔ کئی صدیوں کی حکومت کے بعد دنیا کے دوسرے کونے سے انگریز آئے، اور انہوں نے اس پورے خطے کو مغلوب کر لیا۔ انگریز مغربی جدیدیت کے بعد چھائے تھے۔ وہ اپنے ساتھ جدیدیت لائے اور یہاں بھی اسے رائج کیا۔ اس تحقیق کو جدید دور سے قبل مسلم خواتین کی تبلیغی خدمات تک محدود رکھا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

صوفی خواتین کی تبلیغ واشاعتِ دین

دینِ اسلام میں خواتین کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے دیندار خواتین نے، شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، تبلیغِ دین اور اس کی اشاعت کی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں خواتین کا کردار نہایت اہم سمجھا گیا ہے۔ جس طرح خاندان کا سربراہ تمام افراد خانہ کے بارے میں ذمہ دار بنایا گیا ہے، اور وہ اپنے اس فریضے کو ادا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے، اسی طرح اسلامی تعلیمات کے مطابق خواتین اندرون خانہ ذمہ دار قرار دی گئی ہے۔ مسلم خواتین نے اس ذمہ داری سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ اگر ہمیں قدیم دور میں برصغیر کی خواتین کی تبلیغی سرگرمیاں دکھائی نہیں دیتیں، تو اس کی وجہ یہی ہے۔ انہوں نے دراصل اپنی تمام ترکاوشیں، اپنے گھر کے لوگوں کی تبلیغی تربیت میں صرف کر دی تھیں۔ یہ تحقیق بتاتی ہے کہ یہ تربیت، تعلیم، اندازِ تبلیغ میں رہنمائی اور دل میں بٹھائی گئی ایمان و یقین کی اہمیت دینِ اسلام کی معاشرے میں اشاعت میں بہت کام آئی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«المرأة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها»(1)

"عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمہ دار اور نگران ہے، اور وہ اپنی رعایا سے متعلق جوابدہ ہو گی۔"

ہر دور میں مسلم خواتین نے اولاد کی نگہداشت اور ان کی دینی تربیت کی طرف بھرپور توجہ دی ہے۔

OPEN ACCESS
CC BY

یہ مسلم خواتین کی تربیت کا اثر ہے کہ مسلم مبلغین تیار ہوئے، جنہوں نے اس اعلیٰ مقصد کے لیے ہر طرح کی قربانی دی۔ انہوں نے اپنی جان اور مال کو اس میں صرف کیا۔ انہوں نے سفر اور ہجرت کی اور اپنے آبائی وطن سے دور اسلام کا پیغام عام کیا۔

برصغیر میں اسلام کی تبلیغ میں اہل اللہ کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ یہ بہت مشکل ذمہ داری تھی۔ اگر ان کے گھر کی خواتین انہیں اس میں مدد نہ دیتیں، اور ان ست تغافل کر کے چھوڑ دیتیں، وہ محض اپنی زندگی کی راحتیں دیکھتیں، تو ان کے لیے یہ کام مشکل ترین ہو جاتا۔ ان خواتین نے اس اہم کام میں میں کردار ادا کرتے ہوئے بھی پس پردہ رہنے کی کیفیت اپنائے رکھی۔

جس طرح سید عبد القادر جیلانی (م561ھ) کی والدہ ماجدہ کی تربیت اور سفر و حضر کے لیے نصیحتیں انہیں اسلام کا بہترین مبلغ بنانے میں معاون رہیں، اسی طرح برصغیر کے نامور باعمل عالم اور مبلغ حضرت فرید الدین مسعود کا تذکرہ ان کی والدہ، قُرسم خاتون، کے ذکر کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ عظیم صوفی بزرگ اور شاعر، بابا فرید الدین جو گنج شکر کہلاتے ہیں، کا اصل نام مسعود تھا، آپ فرید الدین کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ کی ولادت کا سال 589ھ (بمطابق 1173ء) ہے۔ آپ کی وفات 666ھ (بمطابق 1265ء) میں ہوئی۔ خواجہ معین الدین چشتی کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بی بی ام الورع ہے لیکن بعض لوگوں کے خیال میں ان کا نام ماہ نور و خاص الملکہ ہے۔ آپ عبد اللہ الحنبلی کی پوتی اور حضرت غوث پاک کی چچازاد بہن ہیں۔ ان دونوں کے والد حقیقی بھائی ہیں۔[(2)]

قُرسم خاتون کے خاوند اور فرید الدین مسعود کے والد بزرگوار کا اسم گرامی قاضی جلال الدین ہے۔ بابا فرید ابھی پانچ سال کے تھے کہ والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ بابا جی پہلے پنجابی ادیب ہیں، آپ نے پنجابی زبان میں شاعری کی بنیاد رکھی۔ آپ برصغیر کے خطے کے مشہور اہل اللہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ نے ہند کے ظلمت کدے میں اسلام کا نور پھیلایا۔ آپ نے مرصکانہ سماج میں اللہ کی وحدانیت اور معرفت کروائی۔ آپ نے ملتان ضلع کی ایک بستی، کھوتووال میں جنم لیا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے سلسلہ نسب کابل کے فرمانروا فرخ شاہ سے جاملتا ہے۔[(3)]

اہل اللہ کے بلند مقام میں دینی ماحول میں تربیت کا بہت اثر ہوتا ہے۔ بابا فرید کی والدہ ماجدہ نے آپ

OPEN ACCESS

کی مبلغانہ تربیت کی۔ انہوں نے مبلغانہ منہج بچے کے ذہن میں راسخ کر دیا۔ انہوں نے بڑی حکمت سے بچے کو اچھی نصیحت کی کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ جب چھوٹی عمر کے بچے نماز ادا کرتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خاص طور پر خوش ہوتا ہے۔ وہ انہیں انعام کے طور پر شکر عطاء فرماتا ہے۔ انہوں نے بچے کو سکھایا کہ جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے چلے جاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام واکرام بڑھتا جاتا ہے۔ ان کی باتوں سے آپ متاثر ہوئے، اور نماز کی پابندی کرنے لگے۔ ان کی والدہ مصلے کے نیچے شکر رکھ دیتی۔ ایک بار وہ ایسانہ کر سکیں، بعد میں یاد آنے پر بچے سے پوچھا تو آپ نے شکر ملنے کی نوید سنائی۔ والدہ بچے کے ایمان ویقین کی پختگی، تبلیغ کے پر اثر ہونے میں غیبی مدد اور بچے کو خدائی انعام ملنے پر شکر بجالائیں۔ (4)

اہل اللہ نے برصغیر میں ہمیشہ حق کی تبلیغ کی اور حق کا ساتھ دیا۔ انہیں اسی انداز سے زندگی گذارنے کی تربیت کی گئی تھی۔ مسلمانوں میں مائیں اولاد کی تربیت کی زیادہ ذمہ دار سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لیے اہل اللہ کی ماؤں نے اپنی اولاد کو قرآن وحدیث کے مطابق صبر کرنے والوں کے اجر وثواب کے بارے میں بتایا۔ اسی تربیت کا اثر ان نیک بندوں کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

بابا فرید کے جماعت خانہ میں بی بی رانی بھی تھیں۔ ان جیسی عورتیں جماعت خانے میں ماں بہن کی طرح صوفیوں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے باباصاحب کے خیالات کی وضاحت فرمائی ہے۔ باباجی ان کے شیخ تھے۔ جن کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں کہ جب جنگل سے کوئی شیر نکل آتا ہے تو لوگ یہ نہیں پوچھتے کہ یہ شیر ہے یا شیرنی۔ ضرورت طاعت اور تقویٰ میں معروف ہونے کی ہے خواہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ (5) بابا فرید گنج شکر اپنی بیٹی بی بی شریفہ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ آپ فرماتے کہ اس طرح کی کچھ اور عورتیں ہوتیں تو انہیں مردوں پر فضیلت حاصل ہو جاتی۔ روحانی اصلاح اور تربیت مشکل کام ہے بعض مجبوریوں کی وجہ سے عورتیں یہ کام نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لئے باباجی چپ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ خلافت اور مشائخ کا سجادہ عورت کو دینا مناسب ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا۔ (6)

بی بی زلیخا خواجہ نظام الدین اولیاء کی والدہ تھی۔ بی بی نے 648ھ میں وفات پائی۔ بی بی نے بڑے ناز ونعم میں پرورش پائی تھی۔ اس کے والد سید عرب کے ایک چچازاد بھائی سید علی بخاری تھے۔ والد نے ان سے بیٹی کے

OPEN ACCESS

فریضے سے سبکدوش ہونے کے لیے ان سے مشورہ کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ بھائی رشتہ طلب کرے۔ بھائی نے خیر خواہی سے مشورہ دیا۔ بالآخر سید عرب نے ان کے بیٹے کو اپنی بیٹی دینے کی بات کی۔ بھائی نے بیٹی کی شہزادی کے طور پر پرورش اور اپنی تنگدستی کا عذر کیا۔ سید صاحب نے دینداری کو متاعِ دنیا پر فوقیت دی۔ بی بی زلیخا کی 615ھ میں سید احمد سے شادی کر دی گئی۔ سلطان التمش نے انہیں بدایوں کا قاضی مقرر کیا تو تنگدستی دور ہوئی۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تھی۔

سید احمد اور بی بی زلیخا، میاں بیوی انبیاء کی ماثور دعاء مانگتے رہتے تھے:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾(7)

"اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔"

سید احمد اور بی بی زلیخا کی شادی کے اکیسویں برس 636ھ میں ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ دیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا۔ اگلے برس ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جب سید احمد وفات پا گئے تو بی بی زلیخا نے بیٹے کو حضرت مسیح اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے احوال بتائے۔ ماں نے بیٹے کو بتایا کہ ہمارے آقا، سید المرسلین حضرت محمد ﷺ بھی بچپن میں یتیم تھے۔ جو بے یار و مددگار ہوں وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ جب سید محمد کی دستار بندی ہوئی تو ماں نے سوت کاتا اور اس کمائی سے کھانا کھلایا، جو کافی اور بابرکت ثابت ہوا۔ ماں نے وفات کے وقت سید محمد کو اللہ کے حوالے کیا۔(8)

کشمیر میں دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں شاہ ہمدانؒ (م786ھ) کا اہم کردار یاد رکھا گیا ہے۔ آپ اور آپ کے پاکیزہ سیرت ہمراہیوں کی وجہ سے چودھویں صدی عیسوی (بالخصوص اس کے ربع آخر) میں ایک عجیب مذہبی فضا پیدا ہو گئی۔ ان ایام میں مشہور صوفی خاتون للہ عارفہ کی بڑی شہرت ہوئی۔ اسی زمانے میں شیخ نور الدینؒ ریشی (842ھ) جیسے تارک الدنیا بزرگ بھی پیدا ہوئے، جو کشمیر میں نندرشی کے نام سے مشہور ہیں اور کشمیر کے محافظ ولی سمجھے جاتے ہیں۔ روایت ہے کہ انھوں نے للہ عارفہ کا دودھ پیا تھا۔(9)

کشمیری ادب اور شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور شتی کنتھ، للہ عارفہ اور شیخ نور الدینؒ ریشی کا ہے۔ للہ عارفہ کا کلام صوفیانہ اور فلسفیانہ ہے اور سنسکرت آمیز زبان کے باوجود اس میں مسلمان صوفیہ کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔ شیخ نور الدین ریشیؒ کے اشعار بھی، جو اشلوک کہلاتے ہیں، متصوفانہ ہیں،

CC BY

البتہ ان کا لہجہ زیادہ نصیحت آموز ہے۔ان تینوں کے کلام میں کشمیری کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر اب متروک ہو چکے ہیں۔[10]

جہاد کے ذریعے تبلیغ واشاعتِ دین

برصغیر میں اسلام کے تعارف کے اولین ذرائع میں جذبہ جہاد سے سرشار حکمران اور ان کی طرف سے مقرر کردہ جرنیل بنے۔ مسلمانوں کے عروج کے دور میں چند حکمران مظالم کی شہرت رکھتے تھے۔وہ بھی ملی حمیت اور غیرت کا مظاہرہ کرتے تھے۔جب لنکا سے آنے والے خواتین کو سندھ کی سمندری حدود میں پریشان کیا گیا تو یہ واقعہ سندھ میں اسلام کے داخلے کا سبب بنا۔ اسی لیے سندھ کو باب الاسلام یعنی برصغیر میں اسلام کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ گویا مسلم خواتین کے ساتھ یہ بدسلوکی برصغیر میں اسلام کی آمد، تبلیغ اور غلبے کی ابتدائی وجہ اور ذریعہ بنی۔یوں بالواسطہ مسلم خواتین برصغیر میں اسلام کی تبلیغ کی اولین محرک تھیں۔

لطف النساء سراج الدولہ کی بیگم تھیں۔وہ ہندو خاندان کی چشم وچراغ تھیں۔بیاہ کے بعد اس ن ے تمام عمر اپنے خاوند کی دل جوئی اور ہمدردی میں گزار دیا۔غداروں کی وجہ سے جنگ پلاسی میں نواب کو شکست ہوئی تو بیگم نے اس کا ہمیشہ دل بڑھایا۔ محدود وسائل کے باوجود اس نے مرحوم نواب کے مزار پر تلاوت کے لئے قاری مقرر کیے۔وہ ختم کے لئے اور ایصال ثواب اس کو بخشتے تھے۔وہ بلاناغہ نواب کی قبر پر جاتی تھی۔ پھول چڑھاتی اور غم میں ڈوبی رہتی تھی۔ نومبر 1790ء میں اسے نواب کی قبر پر دل کا دورہ پڑا اور وہی پر وفات پا گئیں۔ نواب کی وفات کے بعد وہ چونتیس سال زندہ رہیں۔بڑی تنگی اور افلاس تھی اس میں دلیری اور استقلال کے ساتھ حالات کا سامنا کیا۔لوگوں نے اس سے نکاح کے پیغام بھیجے لیکن وہ نواب کی یاد میں تڑپتی رہی۔ اس نے اپنے اخلاق، کردار اور چال چلن سے مثالی مسلمان خاتون کی مثال پیش کی۔[11]

قرآنی تفہیم کے ذریعے تبلیغ

قرآن کریم اسلام کی تبلیغ کا بنیادی مصدر ہے۔اس کی تفہیم اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بہت مدد دیتی ہے۔ مغل حکمران اورنگ زیب(م1118ء) کی صاحبزادی زیب النساء تبلیغی خدمات میں معروف ہے۔اس دور میں شیخ

OPEN ACCESS

صفی الدین جو کہ ولی قزوینی کہلاتے تھے، سے درخواست کی، تو انہوں قرآن کریم کی اہم عربی تفسیر، تفسیر کبیر از امام رازی کا فارسی ترجمہ کیا۔ [12]

تفسیر کبیر کے ترجمے کا نام شہزادی زیب النساء کے نام پر زیب التفاسیر رکھا گیا۔ شہزادی خود بھی عالمہ تھی۔ ملا سعید اشرف آپ کے استاد ہیں، جن سے آپ نے درسی کتب پڑھیں۔ شہزادی نے فقہ اور اس کے اصول فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث بھی اخذ کیا۔ (13)

زیب النساء نے چند عمارتیں بھی بنوائی۔ اس نے آگرہ شہر کے مضافات میں جمنا ندی کے کنارے ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ اس میں ایک درویش شیخ سعد اللہ خان تقریباً بیس سال مقیم رہے اور اسی میں دفن ہوئے۔ تذکرۃ السلاطین نامی مشہور کتاب میں اس مسجد کا ذکر ملتا ہے۔ شہزادی نے کشمیر کی ریاست میں بھی ایک مسجد بنوائی۔ وہ فارسی اور عربی زبانوں پر عبور رکھتی تھی، وہ خوش نویس اور حافظہ بھی تھی۔ [14]

بھوپال کی نواب سکندر جہاں بیگم (م1868ء) نے قرآن فہمی کے لیے بڑی کاوشیں کیں۔ انہوں نے شیخ احمد داغستانی سے فرمائش کی، جنہوں نے ترکی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا۔ ان کی صاحبزادی نواب شاہ جہاں بیگم بھی مبلغانہ فکر والی تھی۔ وہ ان کی جانشین بنی۔ اس نے تحریکِ علی گڑھ میں بھرپور اور دل کھول کر مالی امداد دی۔ انہوں نے سرحدی علاقوں کی ضروریات کے پیشِ نظر مولانا میاں جمال الدین وزیر سے درخواست کی، جنہوں نے پشتو زبان میں کلامِ الٰہی کا ترجمہ کیا۔ [15]

ریاستی منصب کے ذریعے تبلیغ و اشاعتِ دین

برصغیر میں مسلمانوں کے ابتدائی دور میں ہی دہلی پایہ تخت بن گیا تھا۔ ترکی خاندانِ غلاماں کی خاتون بادشاہ رضیہ سلطانہ (دورِ حکومت 1236ء تا 1240ء) سلطان شمس الدین التمش کی صاحبزادی تھی۔ بادشاہ کا بڑا بیٹا جوانی میں فوت ہو گیا، تو بادشاہ نے اپنی اس بیٹی کو جانشین بنا دیا، امراء نے احتجاج کیا، لیکن اس نے انہیں باور کرایا کہ رضیہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی، باقی اولاد کی نسبت، بہتر صلاحیت رکھتی ہے۔ [16]

سلطان التمش 629ھ کو گوالیار کی مہم پر روانہ ہوا۔ اس نے سلطان کے امور اور سارے انتظامات رضیہ کے حوالے کر دیے۔ باپ کی غیر موجودگی میں تمام فرائض اس نے خوش اسلوبی سے ادا کیے۔ دوست، دشمن اس

CC BY

کے تدبر اور قابلیت کے مداح اور معترف ہو گئے۔جب رضیہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھ گئی تو اس نے طبقات ناصری کے فاضل مصنف منہاج الدین سراج کو جامعہ ناصریہ دلی کا صدر معلم اور ناظم مقرر کیا۔رضیہ سلطانہ نے اپنے دور میں علوم وفنون کی جی بھر کر سرپرستی کی،اس نے سلطنت میں جابجا مدارس اور مکاتب جاری کئے۔ اپنے والد کی طرح عالموں اور فاضلوں کی وہ بڑی قدر دان تھی۔ سلطنت کا کام شروع کرنے سے پہلے وہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرتی تھی۔وہ دینی فرائض بجالانے میں کبھی سستی اور تساہل نہ کرتی تھی۔ (17)

رضیہ سلطانہ ایک دلیر اور باتدبیر ملکہ تھی۔ وہاں بے حد شفیق، بااخلاق، متواضع اور عادل تھی۔ وہ مذہباً حنفی، شریعت کی پابند اور علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کی خواہشمند ہوتی تھی۔ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک دفعہ اپنے والد ماجد التمش بادشاہ کے ساتھ حضرت خواجہ بختیار کاکی، کی بارگاہ میں گئی۔خواجہ نے اسے برکت کی دعادی۔انہوں نے بتایا کہ یہ بچی مردوں پر فوقیت رکھتی ہے۔اس نے سعید الدین ، نصیر الدین، جلال الدین اور کبیر الدین، جو کہ قاضی کہلاتے تھے، پر مشتمل ایک مقتدرہ مجلس بنائی۔اس مجلس کی مشاورت سے تمام حکمنامے جاری ہوتے تھے۔اس نے مجلسِ قضاۃ کی مانند مجلس علمی بھی ترتیب دی۔اس میں جلال الدین کاشانی، محمد ساوجی اور نورالدین محمد عوفی جیسے اہل علم شامل تھے۔ (18)

چاند بی بی 1574ء میں والی احمد نگر حسین نظام شاہ کی ملکہ خدیجہ سلطان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔وہ والئی بیجاپور علی عادل شاہ کہ بیوی تھی۔اس کا والد عیش و نشاط میں مگن رہتا تھا۔اس کی والدہ کی اخلاقی رفعت کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔وہ بیوی کے کہنے پر سلطنت اور رعایا کے کاموں میں دلچسپی لینے لگا اور اس نے ایسی مجالس ترک کر دیں۔ (19)

جنگ آزادی کے 1857ء میں ہنگامے کے باعث صدیق حسن خان قنوجی پہلے سے زیادہ مسائل کا شکار ہو گئے۔ آپ نے ضروریات کی تکمیل کے لیے ریاست ٹونک میں ملازمت شروع کر دی۔جب حالات بہتر ہوئے تو آپ 1276ھ میں دوبارہ بھوپال میں ملازمت پر واپس آ گئے۔اسی دوران آپ نے محمد جمال الدین خان کی بیٹی سے شادی کی۔جب نواب شاہجہان بیگم بیوہ ہوئی تو اسے ریاست بھوپال کی حکومت مل گئی۔وہ نواب صدیق حسن کی

OPEN ACCESS

علمیت، قابلیت اور دیانت سے بہت متاثر تھی، اس لیے اس نے ان سے نکاح کیا، اور انہیں حکومتی معاملات میں شامل کر لیا۔(20)

علی گڑھ کے شہر میں 1904ء میں پہلی خواتین کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی بیاد شیخ عبداللہ نے رکھی تھی۔ اس کانفرنس میں خواتین کی آزادی، خود مختاری اور تعلیمی قابلیت میں اضافے کے لیے بہت سی سفارشات اور فیصلے ہوئے۔ اس دور میں برصغیر میں مس عطیہ فیضی، محترمہ آبرو بیگم، آپا آلہ بی، بیگم رضا علی، بیگم سعید احمد اور بھوپال کی نواب سلطان جہاں بیگم ایسی خواتین تھیں، جنہیں ترقی یافتہ پارا جاتا تھا۔ 1904ء میں خواتین کی تعلیم کی تحریک کو ترقی دینے کے لیے ایک رسالہ نکالا گیا، اس کا نام "خاتون" رکاص گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد شیخ عبداللہ نے علی گڑھ شہر میں خواتین کی تعلیم کے لیے ایک سکول بنایا۔ بعد میں یہ ویمنز کالج بنا، اور یہ اب بھی موجود ہے۔(21)

سلطان جہاں بیگم، نواب سکندر جہاں بیگم کی بیٹی، جب اس کی جانشین بنی، تو اس نے کئی تعلیمی تحریکوں کی مدد کی۔ اس نے کئی دینی مدارس اور سکولوں کی مالی امداد کی۔ اس دور میں علی گڑھ میں سرسید، دیوبند میں علمائے ہند اور لکھنؤ میں ندوۃ العلماء نے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی تھی۔ بیگم صاحبہ نے ان اداروں کی خاص طور پر مدد کی۔[22]

فلاحی کاموں کے ذریعے تبلیغ و اشاعتِ دین

حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک عید کے روز خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ سمجھے کہ شاید عورتوں نے خطبہ نہیں سنا، آپ ﷺ مرد نمازیوں کی صف سے پیچھے تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ خواتین والی صفوں کے قریب گئے تو آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت بلالؓ بھی تھے، روایت ہے:

«فوعظهن و ذكرهن و أمرهن بالصدقة»[23]

"تب آپ ﷺ نے خواتین کو وعظ و نصیحت فرمائی، اور آپ ﷺ نے انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔"

صحابیات آپ ﷺ کے حکم پر فوری صدقات دینے لگ گئیں۔ کوئی عورت کانوں کی بالی یا انگوٹھی

OPEN ACCESS

دینے لگی۔ کسی نے کچھ نہ کچھ دیا۔ حضرت بلال ان زیورات کو اپنے کپڑے میں سنبھالتے گئے۔

پہلے مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کی بیٹی گلبدن بیگم اپنے دور کی عورتوں میں ذہین ترین خاتون تھی۔ وہ علم و حکمع سے بھی بخوبی آگاہ تھی۔ اس کی تعلیم و تربیت اچھی طرح ہوئی تھی۔ وہ ترکی اور فارسی زبان کی انشاء پرداز ادیبہ اور اعلیٰ شاعرہ تھی۔ شہزادی کا بیش تر وقت افغانستان میں کابل میں صرف ہوا۔ وہاں فارسی زبان کا راج تھا۔ اسی لئے شہزادی نے ہمایوں نامہ اسی زبان میں تحریر کیا۔ شہزادی پابندی شریعت تھی، وہ غرباء و مساکین اور محتاجوں کا خیال رکھتی تھی۔ وہ بے آسرا بچیوں کی نگہداشت اور گھر بسانے کے اہتمام کرتی تھی۔ اس کی وفات 1603ء میں سترہ مئی کو ہوئی۔ (24)

گلبدن بیگم شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ وہ غرباء اور نادار لوگوں کی مدد کرتی تھیں۔ وہ بے سہارا اور لاوارث لڑکیوں کی پرورش کرتی تھیں اور دینی خدمت کے کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ یہ فلاحی کام ان کی طبیعت کا جزو بن گئے تھے۔ وہ لاوارث لڑکیوں کی ہر سال اپنے خرچ سے شادی کرتی تھیں۔ وہ مساکین کے لیے حج بیت اللہ کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ اس نے اہل اللہ اور فقراء کے لیے وظائف مقرر کیے ہوئے تھے۔ اس نے بیواؤں اور یتیموں کے لیے ماہانہ خرچ کا انتظام کر رکھا تھا۔ یوں وہ اپنی زندگی میں ایک نامور خاتون بن گئیں تھیں۔ گلبدن بیگم سلیمہ سلطان بیگم اور دیگر بیگمات کے ساتھ 1575ء میں بیت اللہ شریف کا حج کرنے کے لیے گئیں۔ وہ ساڑھے تین سال مکہ مکرمہ میں رہیں۔ یوں انہوں نے چار بار حج مبارک کی سعادت سمیٹی۔ ان کا جہاز ستائیس جلوس اکبری میں سورت پہنچا۔ شہزادہ سلیم ان کی پیشوائی کے لیے گیا۔ (25)

زیب النساء فیاض اور بے کسوں کا سہارا تھیں۔ اس نے بڑے ذوق و شوق سے قرآن کریم حفظ کیا تھا۔ اس کی تمام عمر کبھی نمازیں قضاء نہیں ہوئیں تھیں۔ وہ نوافل اور مستحب بھی والہانہ شوق سے ادا کرتی تھیں۔ وہ پردے کی پابند تھیں اور تحصیل علم کے لئے اس نے اپنی زندگی صرف کی تھی۔ (26)

کشمیر کے متمول گھرانوں کی خواتین میں تعلیم عام تھی۔ وہ بہت تہذیب یافتہ تھیں۔ وہ مساجد اور خانقاہیں بنواتی تھیں۔ امور مملکت میں بھی وہ حصہ لیتی تھیں۔ سورہجا تون، گل خاتون، حیات خانم اور جیا خاتون کی زندگی ایسے کارناموں سے بھرے پڑی ہے۔ حبہ خاتون یوسف شاہ کی ملکہ تھیں وہ کسانوں کی لڑکی تھی۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ

CC BY

جو لڑکیاں علم حاصل کرنے کا شوق رکھتی تھیں ان کے لئے مواقع موجود تھے۔ اور ان سے فائدہ اٹھاتی تھیں۔ (27)

سولہویں صدی کا نصف گزر چکا تھا کشمیر پر چکوں کی حکومت تھی۔ یوسف شاہ عیش و عشرت میں ڈوبا رہتا تھا۔ ملکہ حبہ خاتون نے اس کی اصلاح کی بہت کوشش کی۔ جب حالات بگڑ گئے تو اسے تخت چھوڑنا پڑا۔ 1581ء میں اس نے کشمیر پر دوبارہ قبضہ مستحکم کر لیا۔ اس نے خود کو بدل لیا۔ اکبر اعظم کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی تو حبہ خاتون نے زندگی کے باقی ایام دیہات میں گزار دیے۔ یوسف شاہ کو کشمیر واپس جانے کی اجازت نہ ملی اس لئے دونوں نے جدائی کے ایام میں موت کو گلے لگایا۔ حبہ خاتون نے کٹیا میں بسیرا رکھا۔ اس نے قریب ہی مسجد بنائی۔ یہ مسجد آج بھی اس کے نام سے حبہ خاتون مسجد کہلاتی ہے۔ اورنگزیب عالمگیر 1664ء میں پہلی دفعہ سیر کے لئے کشمیر گیا۔ ظہر کا وقت ہوا تو اس نے اسی مسجد میں نماز ادا کی۔ مسجد کی حالت اچھی نہ رہی تھی اسے مسجد اور اس کی بانیہ کے حالات بتائے گئے اس نے مسجد کی مرمت کا حکم دیا۔ 1938ء میں ایک مسلمان ٹھیکیدار نے اس کی مرمت کروائی۔ سری نگر کے گردونواح میں اور بھی عمارتیں حبہ خاتون کی یادگاریں ہیں۔ سری نگر کا دوسرا پل حبہ کدل ہے جو اس کی یادگار ہے۔ اس نے مضافات میں بھی پل بنوایا تھا۔ (28)

تصنیف و تالیف کے ذریعے تبلیغ و اشاعتِ دین

مغل فرمانروا شاہجہاں کی بیٹی جہاں آرا بیگم کی پرورش علمی ماحول میں ہوئی۔ ستی النساء شہزادی کی تعلیم کے لیے مقرر کی گئی۔ استاذہ حافظِ قرآن، طبیبہ، ادیبہ، قاریہ ہونے کے ساتھ ساتھ فنِ تجوید کی ماہرہ تھی۔ تعلیم کے حصول کے بعد شہزادی اعلیٰ مصنفہ اور بہترین شاعرہ بنی۔ وہ بادشاہ، اپنے والد، کے دورِ اقتدار میں بہت زیادہ اثر ورسوخ رکھتی تھی۔ اس کا سالانہ وظیفہ چھے لاکھ روپے تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر اپنے والد شاہجہاں کے مقابلے پر آ گیا، اس کی اپنے بھائیوں سے بھی اقتدار کی جنگیں ہوئیں۔ شہزادی نے اپنے تئیں بے حد کوشش کی کہ سب میں صلح ہو جائے۔ اسی کی کوششوں سے باپ اور بیٹے میں بالآخر صلح ہو گئی۔ شہزادی نے دین اسلام کی خدمت اور تبلیغ کے لیے بہت سرگرمی دکھائی۔ وہ رفاعی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ اس نے دہلی شہر کے باہر ایک کارواں سرائے بنوائی، جس کے نوے حجرے تھے، اور ہر ایک حجرے کی اگلی جانب، پانچ گز کے

عرض کا ایک چبوترہ تھا، اس میں پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دو بڑے کنویں بنائے گئے۔ کارواں سرائے میں ایک شاندار مسجد تھی۔ شہزادی کی مشہور ترین اور بہترین یادگار آگرہ کی جامع مسجد ہے۔[29]

جہاں آرا شہزادی 1614ء میں تئیس مارچ کو پیدا ہوئی۔ اس کا شمار صاحب تصنیف، مغل شہزادیوں، میں کیا جاتا ہے۔ شہزادی کو تصوف اور احوالِ صوفیاء سے بہت لگاؤ تھا۔ اسی میلان کی عکاسی اس کی تصنیف میں ملتی ہے۔ اس نے اہل اللہ کے احوال اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں۔ اس نے فارسی زبان میں تصوف پر کئی کتب تالیف کیں، ان میں مشہور ترین کتاب "مونس الارواح" ہے۔ اس کتاب میں شہزادی نے حضرت، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور ان کے معروف ترین خلفاء کے احوال زیبِ قلم کئے ہیں۔ کتاب کا اسلوب و انداز بیان، سلیس اور سادہ ہے۔ اس میں منطق کی اصطلاحات کا تکلف نہیں برتا گیا۔ اس میں دینداری کا واضح رنگ ملتا ہے۔ تحریر میں خط نستعلیق کا طرز اپنایا گیا ہے۔[30]

شہزادی نے اپنی تالیف میں قرآنی آیات بیان کی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ﴾[31]

”ہم نے کہا کہ، اے آگ! تو ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور پر سکون ہو جا۔“

اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد پاک یوں ہے:

﴿وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾[32]

”انہوں نے تدبیریں کیں، تو ہم نے، انہیں نقصان اٹھانے والوں میں سے کر دیا۔“

شہزادی کو حضرت، خواجہ، معین الدین چشتی اجمیریؒ سے والہانہ اور بے حد عقیدت تھی۔ اسی بناء پر اس نے "مونس الارواح" تالیف کی۔ شہزادی بیگم نے کئی مشائخ عظام کے مرتب کردہ رسائل سے بذات خود فیض لیا تھا۔ اس نے اس تالیف کو اپنی بخشش کا ذریعہ جانا۔ اس نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ارادت مندوں کی رہنمائی کے لئے یہ رسالہ مرتب کیا۔ شہزادی نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے رسالے "انیس الارواح" کے نام پر اس رسالے کا نام "مونس الارواح" رکھا تھا۔ انیس الارواح از خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ میں حضرت کے مرشد کا احوال اور آپ کے مرید بننے کا حال بیان کیا ہے۔ شہزادی کی کتاب کے

CC BY

ابتدائی الفاظ حمدیہ کلمات سے مزین ہیں۔ مصنفہ فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کی خالق اور صانع ہونے کا وصف بیان کرتی ہے۔ وہ اس کی مخلوقات کی تعداد سے بڑھ کر شکر بجالانے کی التجا کرتی ہے۔ اس کتاب کے آخری الفاظ میں مخلوق کی ہستی کی ناپائیداری اور باری تعالیٰ کی منزہ ہستی کو لازوال لکھا گیا ہے۔

مونس الارواح کے آغاز میں حضرت خواجہ چشتی اجمیریؒ کی ارادت، یقین اور روحانی وابستگی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں آپؒ کی اجمیر میں آمد، اور اخلاق و کردار سے آگاہی دی گئی ہے۔ اس میں آپ کے اللہ تعالیٰ سے تعلق، تقویٰ و زہد، دنیا سے بے رغبتی اور قناعت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے زریں اقوال، کرامات کے بیان کے بعد آپ کی رحلت، سفر آخرت اور مزار شریف کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس رسالہ میں شیخ کے رسالہ "انیس الارواح" کے حوالے دے کر شہزادی نے حضرت خواجہ اور ان کے پیر و مرشد کے حالات کو بیان کیا ہے۔ اس میں حضرت خواجہ کے مرید، حضرت، قطب الدین بختیار اویسی کاکیؒ کے ساتھ شیخ حمید الدین ناگوری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شیخ نظام الدین محمد بدایونیؒ اور شیخ نصیر الدین محمود لودھی کو بھی یادرکھا گیا ہے۔ رسالے کے آخر میں شہزادی بیگم نے اپنے سفر اجمیر، حضرت خواجہ کے مزارِ شریف کی زیارت، اور اس دوران اپنی کیفیات اور جذبات کو بیان کیا ہے۔

شہزادی جہاں آرا بیگم کی ایک تالیف "صاحبیہ" ہے۔ اس میں کل انیس اوراق ہیں۔ ابتدائی صفحہ پر بطورِ سرِ تحریر "ھوالفرد" لکھا گیا ہے۔ یہ رسالہ شہزادی جہاں آرا بیگم کے پیر و مرشد حضرت ملاشاہ بدخشی کے ذکر خیر کے لیے ہے۔ اس میں ان کے حالات، کیفیات، اعلیٰ اوصاف و کمالات، طرز رہن سہن، پوشاک و خوراک کا بتایا گیا ہے۔ آپ نے اس رسالہ میں شیخ کی بارگاہ میں اپنے مرید بننے کا واقعہ مفصل طور پر لکھا ہے۔ رسالہ کے شروع میں چند فارسی کے جملوں کا مفہوم یہ ہے کہ لا محدود حمد اور ستائش اس خدا تعالیٰ کے لیے کہ جس کی اپنی ذات اکیلی ہے، اور وہ مطلق ہے۔ اس رسالہ کے آخری صفحات میں حضرت جی ملا شاہ کی تعریف و ستائش میں چند اشعار ہیں۔ رسالہ کے اختتام سے پہلے مصنفہ دعاگو ہے کہ اس کے استغراق، انہاک اور وجد وریاضت میں بابرکت اضافہ ہوتا رہے۔

رسالہ کے شروع میں شہزادی نے اپنی اس تالیف کی وجہ اشاعت بیان کی ہے۔ شہزادی بیگم بتاتی ہے کہ ان کے مرشد کے اوصافِ حمیدہ اور محاسن کریمہ بے شمار ہیں۔ مصنفہ کو جناب سے عقیدت ہے، اور مریدہ یہ تالیف

اخروی سعادت حاصل کرنے کیلیے رقم کررہی ہے۔ اس میں پیر و مرشد کی پیدائش، تحصیلِ علم، حضرت میاں میر کے مریدی میں جانے، پیر و مرشد کے روز و شب کے معمولات، عبادات میں استغراق، پہناوے، غذا، سیر و سیاحت اور تفریح، واضح کرامات اور ان کے مریدوں کے احوال مفصل ملتے ہیں۔

شہزادی بیگم نے اس رسالہ میں اپنے احوال بھی قلمبند کیے ہیں۔ اس میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ با عمل پیر و مرشد کے ذکر کے بعد اپنا نام لکھنے کو قبول فرمائے، اس وجہ سے مصنفہ کی مغفرت فرمادے اور ان کے حقیقی عقیدت مندوں میں اسے شامل کردے۔ شہزادی مزید لکھتی ہے کہ اس کی عمر ابھی بیس سال تھی کہ اسے اللہ والوں سے انس اور عقیدت ہو گئی۔ جب وہ بادشاہ، والدِ گرامی کے ساتھ کشمیر گئی تو، حضرت پیر ملاشاہ کی نیک نامی اور تعریف سنی۔ تب ہی وہ دل و جان سے حضرت کی معتقد بن گئی، اور پھر اپنے بھائی کے ذریعے ان کو پیر و مرشد مان لیا۔

شہزادی بیگم نے اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر انوار کا خیال رکھا۔ اس نے وہاں بیگمی دالان بنوایا۔ یہ 1053ء میں تعمیر کیا گیا۔ اس کا فرش افشاں بری کے قیمتی پتھر کا ہے۔ اس پر زریں، کام ہے، اس میں بہت پیارے ستون ہیں۔ یہ خوبصورت انداز سے سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں۔ اس کی دیواریں نہایت دیدہ زیب اور منقش ہیں، ان پر چھت ہے، جو تمامی کی ہے۔ اس کے درمیان میں سنگ مرمر کا محراب بنایا گیا ہے، اس کی دلکشی بڑھانے کے لیے جواہرات والی پچی کاری کی گئی ہے، اس میں قیمتی جواہرات لگائے گئے ہیں۔ خوبصورت سائبان کے سامنے دور دور تک فرش بنایا گیا ہے۔ یہ سنگ مرمر کا ہے، اور اس کے آس پاس سنگین کٹہرہ ہے، اسی میں قوالی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(33)

"اُن عورتوں کو بیعت میں لیے لیں، ان کے لیے مغفرت طلب کیجیے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کردے گا۔"

قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ سے یہاں فرمایا گیا کہ مومن عورتیں آپ ﷺ کے پاس اللہ کے ساتھ شرک، چوری، بدکاری اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنے، تہمت نہ لگانے اور کوئی بھی گناہ نہ کرنے کی بیعت کرنے

OPEN ACCESS
CC BY

کے لیے آئیں گی۔

نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی آپ ﷺ سے چار طرح کی بیعت ثابت ہے۔ اسلام، جہاد، ہجرت اور توبہ۔ تصوف و سلوک میں بیعت توبہ کرائی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الغدو والرواح إلى المساجد من الجهاد في سبيل الله»(34)

"مساجد کی طرف صبح اور شام کو چلنا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔"

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ چودھویں روزے کو جمعرات تھی۔ شہزادی صاحبہ کو حضرت کے مرقد مبارکہ کی زیارت ہوئی۔ ابھی دن کا آخری پہر باقی تھا، وہ روضہ شریفہ کے اندر گئی۔ شہزادی بتاتی ہے کہ اس کا چہرہ گویا زرد ہو گیا تھا۔ اس نے اس عظمت والے آستانہ کو بوسہ دیا۔ وہ دروازے سے داخل ہوئی تو گنبد تک پہنچ گئی۔ اس کے پاؤں ننگے تھے۔ یہ بھی اس زمین کو چوم رہے تھے۔ جب شہزادی گنبد مبارک میں داخل ہوئی تو اس کی عجیب والہانہ کیفیت تھی۔ تب اسے ایسا روحانی سکون اور دلی اطمینان ملا، جسے احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ عقیدت اپنی انتہاء تک پہنچ گئی، اسی والہانہ شوق کی حالت میں، وہ دیوانی سی ہو گئی۔ تب اسے نہ سوجھا کہ کیا کرے یا نہ کرے۔ جب شہزادی نے روضۂ اقدس کی جی بھر کر زیارت کر لی، تو واپسی کا سفر انتہائی دردناک، رنج و غم لیے ہوئے اور بے قراری والا تھا، کیونکہ والدماجد کے ساتھ لوٹ کر اکبر آباد آنا تھا، اور مزار شریف کو الوداع کہنے کو من نہیں کر رہا تھا۔

نامور مغل شہزادی زیب النساء شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے بڑی اولاد تھی۔ وہ بروز پنج شنبہ، 10 شوال 1047ھ میں دکن کے شہر دولت آباد میں پیدا ہوئی۔ اس کے دادا شاہجہان نے اس کا نام زیب النساء تجویز کیا۔(35)

زیب المنشات میں شہزادی زیب النساء کے خطوط اور رقعے جمع کیے گئے ہیں۔ اس کی مرتبہ خود شہزادی ہے۔ وہ تمام عمر ناکتخدا رہی۔ اس کی وفات 1114ھ کے شروع میں، دہلی میں، ماہِ محرم میں ہوئی۔ اس نے کل سڑسٹھ سال کی عمر پائی۔ اورنگ زیب عالمگیر کو شہزادی کی وفات کی خبر ملی، تو بے اختیار اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ شہزادی مرحومہ کو دہلی میں ہی دفن کیا گیا۔ قبر کے لیے تیس ہزاری باغ کا انتخاب کیا گیا۔ شاہی فرمان کے

CC BY

مطابق سید امجد خان، حافظ خان اور شیخ عطاء اللہ نے صدقہ و خیرات، اور شہزادی مرحومہ کے مزار کے تعمیراتی کام کا انتظام کیا۔ (36)

شہزادی زیب النساء کا مزار تیس ہزاری میں ہے۔ یہ دہلی میں صاحبۃ الزمانی کا باغ کہلاتا تھا، یہ شہر کا بیرونی کابلی دروازہ تھا، جو انگریزوں کی آمد تک موجود تھا۔ (37)

زیب النساء کو اللہ تعالیٰ نے علمی اور ادبی ذوق عطا فرمایا تھا۔ جب شہزادی چار سال، چار ماہ، اور چار دنوں کی ہوئی، تو حافظہ مریم، اس کی اتالیق مقرر کی گئی، اس کا بیٹا، عنایت اللہ خان، بادشاہ کا معتمد تھا۔ وہ شکر اللہ کشمیری کی بیوی تھی۔ وہ دور دراز، نیشاپور کے مقام سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ اس نے بھرپور محنت کرائی، یوں شہزادی نے قلیل عرصہ میں کلام مجید کو حفظ کر لیا۔ (38)

زیب النساء شہزادی بڑی ذہین، متین، فطین اور زیرک تھی۔ اس کے حفظِ قرآن کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی۔ شہزادی کو بطور انعام تیس ہزار اشرفیاں دی گئیں ۔ اس نے اپنی استاذہ حافظہ مریم سے چند مزید کتب بھی پڑھیں۔ اس نے شیخ احمد بن ابو سعید امیٹھوی المعروف ملا جیون سے باقاعدہ صرف اور نحو کے ساتھ چند مزید دینی کتب پڑھیں ۔ زیب النساء شہزادی نے حضرت ملا سعید اشرف ماژندرانی، سے چند ضروری علوم و فنون حاصل کیے۔ (39)

ملا اشرف ماژندرانی نے شہزادی زیب النساء کو چودہ سال کے طویل عرصہ تک پڑھایا۔ بالآخر استاد نے 1083ھ میں واپسی چاہی۔ اپنے ایران جانے کے ارادے سے کا اظہار ملا صاحب نے ایک شاعرانہ عرضداشت میں کیا۔ (40)

انگریزوں کا دور آیا تو علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ کی تالیف کا ارادہ کیا، اس وقت سلطان جہاں بیگم بھوپال کی نواب تھی۔ اس نے اس نئے انداز سے اس کام کی اہمیت کو سمجھا، اور اس کتاب کی اشاعت کے لیے بھرپور مالی تعاون کیا۔ (41)

OPEN ACCESS

CC BY

علامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی نئی مرکزی عمارت تعمیر کرا رہے تھے، ریاست بہاولپور کی خاتون محترمہ نے اس نیک کام میں فیاضی دکھائی۔ اس نے اپنے پاس سے پچاس ہزار روپے بھیجے۔ علامہ شبلی نعمانی کو ان کی فیاضی، خدمت اور علم دوستی بھلی لگی۔ آپ نے انہیں "زندہ زبیدہ خاتون" کے لقب سے یاد کیا۔[42]

محمدی بیگم 1879ء میں دہلی میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت تعلیم مردوں کے لیے بھی عام نہیں تھی، اور عورتوں کے لیے تعلیم حاصل کرنا ناممکن تھا۔ تاہم، اس کے والدین نے اسے تعلیم دلانے کی پوری کوشش کی۔ وہ اپنے بچے کے لیے غزلیں، نظمیں اور کہانیاں لکھتی تھی۔ جس سے اسے مصنف کے طور پر کیریئر شروع کرنے کی تحریک ملی۔ وہ ان مسلم خواتین ادیبوں میں سے تھیں جنہوں نے بچوں کے لیے کتابیں اور نظمیں لکھیں۔ انہوں نے ماؤں کے لیے ہدایات کے بارے میں ایک میگزین مشیر مادر بھی شائع کیا۔ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ اپنی اولاد کی پرورش کیسے کر سکتی ہیں؟ تاہم، کام کے بوجھ کی وجہ سے، وہ اسے جاری نہیں رکھ سکی۔ اس کے دوسرے میگزین "تہذیبِ نسواں" نے عورتوں کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے تین ناول، شریف بیٹی، صفیہ بیگم اور آج کل لکھے۔[43]

مساجد کی تعمیر کے ذریعے تبلیغ واشاعتِ دین

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وذکرھم اللہ فیمن عندہ»[44]

"اللہ تعالیٰ اپنے پاس لوگوں میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔"

جو لوگ اللہ کے گھروں میں کتاب اللہ کی تلاوت اور درس کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، ان پر تسکینِ قلب نازل ہوتی ہے، اور رحمتِ خداوندی انہیں پناہ میں لے کر ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے ان کے گرد حلقہ بنا لیتے ہیں۔ مسجد کے بہت زیادہ آداب ہیں، جو شخص اس میں داخل ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اعتکاف کی نیت کر لے۔

فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین کی تحقیق ہے کہ "وہ اپنی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، یا نماز پڑھے، پھر جو چاہے کرے۔ مسافر اور مقامی شخص کے لیے کوئی حرج نہیں کی وہ مسجد میں سو جائے۔ یہ ہمارے مذہب میں صحیح ہے۔"[45]

OPEN ACCESS
CC BY

جہاں آرا بیگم نے آگرہ کی جامع مسجد بنوائی۔ اس نے اس سے ملحق ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ اکبر بادشاہ نے فتح پور سیکری میں مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اس کے بعد مغلیہ دور کی یہ مسجد، سب سے پہلی، وسیع و عریض، کشادہ اور فراخ ہے۔ اس کی تعمیر میں پانچ سال لگے۔ اس دوران اخراجات کی مد میں پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اس مسجد کے تین اطراف میں دروازے بنائے گئے، اب شمال اور جنوب، دو اطراف میں دروازے باقی ہیں۔ جنوبی دروازے کے باہر خدام کی رہائشیں بنائی گئی تھیں، لیکن اب وہ بھی نہیں ہیں۔ مسجد کے کونوں میں دو برج بنائے گئے ہیں، یہ سرخ پتھر کے ہیں، جس کے اطراف میں چھوٹی سی برجیاں ایک قطار کی صورت میں ہیں۔ مسجد کے اندر سنگین دالانوں کی ایک قطار ہے، یہ دائیں اور بائیں طرف ابھرے، لیکن بلند و بالا محراب دار ہے۔ یہاں طلبہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ (46)

مغل شہنشاہ، جلال الدین اکبر کی دائی ماں، ماہم آنگہ ، مغل روایات میں نامور خاتون ہے۔ جب ہمایوں بادشاہ، نے شیر شاہ سوری سے شکست کھائی، اور اس کو اپنے اہل خانہ سمیت ملک بدر ہونا پڑا۔ ہمایوں ایک جگہ سے دوسری جگہ پناہ لیتا پھر رہا تھا۔ اس لیے، حمیدہ بیگم نے، ننھے شہزادے اکبر کی نگہداشت اور کفالت کی ذمہ داری ماہم آنگہ کو سونپ دی۔ چونکہ بچپن میں اکبر کی ساری تربیت اس خاتون نے کی تھی، اس لیے اکبر اسے بڑی امی کہتا تھا۔ وہ اسے، اپنی دوسری ماں، کا مرتبہ دیتا تھا۔ وہ بہت نیک اور پاکیزہ خاتون تھی۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا ادھم خان پیدا ہوا۔ عظیم مغل کمانڈر، بیرم خان کے مرنے کے بعد، ماہم انگہ نے ریاستی امور بھی سنبھالے۔ مغل سلطنت کے از سر نو استحکام میں اس کا بڑا اہم کردار تھا۔ ماہم آنگہ ، اکبر کی رضاعی ماں بھی تھی۔ اس نے 969ھ میں پرانے قلعہ کے پاس، مسجد اور مدرسہ بنوایا، اور اس کا نام خیر المنازل رکھا۔ یہ عمارت پتھر اور چونے کی ہے، اور اب یہ بالکل خستہ اور شکستہ ہو گئی ہے۔ مسجد میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے۔ ان تعمیر کیے گئے مدارس میں عالم و فاضل اساتذہ درس و تدریس کرتے تھے، اور سلطنت ان کی سرپرستی کرتی تھی۔ (47)

اکبر نے اپنے ابتدائی دور حکومت میں دینی جوش اور سرگرمی کا اظہار کیا تھا۔ یہ اس کی والدہ مریم مکانی حمیدہ بانو بیگم کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا۔ وہ اپنی والدہ کے حکم پر شیخ الاسلام شیخ عبد النبی کے درس حدیث میں شامل ہوتا اور مسجد میں خود جھاڑو دیتا تھا۔ وہ پنڈتوں سے مباحثہ کرتا اور بدعات اور خرافات پیدا کرنے والوں کو سزائیں دیتا

CC BY

تھا۔ ایک دفعہ اکبر نے اپنے کپڑوں پر زعفرانی رنگ چھڑکا اور دربار چلا آیا۔ شیخ نے غصے میں اسے چھڑی سے پیٹا۔ دربار کے بعد اس نے اپنی والدہ کو شیخ کی شکایت لگائی ۔ ماں نے اخروی نجات کی طرف اس کی توجہ دلائی۔ (48)

برصغیر میں مغلوں کے ایک بادشاہ، شاہجہاں کی زوجہ سرہندی بیگم ہے۔ اس نے 1060ھ میں دہلی کے لاہوری دروازے کے باہر، ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ بعد میں اس کے صحن کا ایک حصہ، کھودی گئی خندق کے دمدمے، میں آگیا۔ اس دلکش مسجد کا دالان اب بھی موجود ہے۔ یہ مسجد تمام تر، سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے۔ (49)

مغل بادشاہ شاہجہاں کی ایک ملکہ اعزاز النساء بیگم، اکبر آبادی کے اپنے خطاب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ بڑی رحمدل، فیاض اور دینی خیالات رکھتی تھی۔ 1060ھ میں ملکہ نے شہر شاہجہاں آباد میں ایک مسجد بنوائی۔ یہ شہر کے فیض بازار میں، اکبر آبادی مسجد کے نام سے، مشہور ہوئی۔ اس مسجد کا صحن وسیع تھا، جس کے گرد طلبہ کے رہائشی حجرے بنائے گئے۔ مسجد کے بڑے دروازے پر ایک کتبہ ہے، یہ سنگ موسی، کی بہترین پچی کاری سے، بڑا دلکش کھدا ہوا ہے۔ (50)

شاہجہاں بادشاہ کی ہی ایک اور ملکہ فتح پوری بیگم ہے۔ اس نے 1060ھ میں، اسی طرح ایک مسجد بنوائی۔ یہ مسجد بھی شہر شاہجہاں آباد میں ہے۔ یہ اردو بازار اور چاندنی چوک سے آگے کی طرف ہے۔ اس دیدہ زیب مسجد کی لمبائی پینتالیس گز، اور چوڑائی بائیس گز ہے۔ یہ مسجد تمام تر سنگِ سرخ کی ہے۔ اس کے گنبد کے دونوں جانب ایوان در ایوان ہیں۔ یہ تین تین در کے ہیں۔ اس مسجد کا فرش سنگ مرمر سے مزین ہے۔ فرش کے دونوں کونوں پر بلند و بالا، دو مینار ایستادہ ہیں۔ ان کی لمبائی پینتیس گز ہے۔ اب ان میناروں کی برجیاں، ٹوٹ چکی ہیں۔ فرش کے آگے ایک دلکش چبوترہ، سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی پینتالیس گز اور چوڑائی پینتیس گز ہے، اس سے آگے، تقریباً سولہ گز ایک حوض، سنگ سرخ کا ہے۔ اس سے آگے سو گز کا ایک صحن ہے، جس کے گرد طلبہ کے او نہتر رہائشی حجرے بنائے گئے ہیں۔ (51)

شاہجہاں کی بیٹی، شہزادی جہاں آرا نے بھی ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اس کے صحن کے وسط میں بہت بڑا حوض ہے۔ اس میں ایک فوارہ لگا ہوا ہے۔ اس مسجد میں کل گیارہ در ہیں۔ درمیان والی در زیادہ طویل ہے، اس کا عرض

CC BY

چالیس فٹ ہے۔ اس کے درمیان، اذان دینے کے لیے، ایک سنگین چودار ہے۔ اس در کے دائیں اور بائیں طرف پانچ، پانچ در ہیں۔ یہ محراب دار تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان دروں پر قرآن حکیم کی آیات مبارکہ کندہ ہیں۔ مسجد کا چبوترہ، صحنِ مسجد سے گیارہ فٹ بلند ہے۔ مسجد کے اندر مصلے یعنی جانمازیں بنائی گئی ہیں۔ جن کے دائیں اور بائیں طظرف جالیوں والے پردے ہیں۔ ان میں خواتین کیلئے جانمازیں بنائی گئی ہیں۔ ساتھ ہی بڑے بڑے ، حجرے بھی موجود ہیں۔ مسجد کے محراب میں آیاتِ قرآنیہ کندہ ہیں، اور منبر سنگ مرمر کا بنایا گیا ہے۔ مسجد کی چھت میں جھاڑ فانوس لگائے گئے ہیں، جو اب بھی موجود ہیں۔ اس چھت پر ہشت پہل کے تین سرخ رنگ والے گنبد ہیں۔ ان پر سنگ مرمر کی دلکش تحریریں بھی ہیں۔ سامنے والے حصے میں چھوٹی چھوٹی سی خوشنما، برجیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ مسجد مکمل طور پر سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے۔ اس پر خوبصورتی کے ساتھ سنگ مرمر والی تحریریں جوڑی گئی ہیں۔ (52)

اورنگ زیب بادشاہ کی زوجہ نے پایہ تخت دہلی میں واقع اورنگ آبادی محل میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ یہ 1114ھ میں بنائی گئی، اور پنجابی کٹھرے میں ہے۔ اس میں طلبہ کی رہائش کے لیے چند حجرے بھی بنائے گئے تھے۔ (53)

دلراس بانو بیگم، اورنگزیب عالمگیر کی پہلی بیوی ہے۔ اس کا تعلق فارس کے صفوی خاندان سے ہے۔ اس کے والد، مرزا بدیع الزمان صفوی، گجرات کے وائسرائے تھے۔ پانچویں مغل بادشاہ، شاہ جہاں کے دور میں، اس ملکہ کے بطن سے زینت النساء بنت اورنگ زیب پیدا ہوئی۔ اس شہزادی کو بھی زیب النساء، بڑی بہن، اور زبدۃ النساء، چھوٹی بہن، کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد اور دیگر اسلامی تعلیمات کا گہرا اور عمیق علم تھا۔ نجی طور پر دانشوروں سے اس کی تعلیم وتربیت کی گئی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہوئی تھی۔ (54)

زینت النساء اورنگ آباد میں، 1053ھ میں، پیدا ہوئی۔ شہزادی زیادہ تر قرآن مجید کی تلاوت، احادیث مبارکہ کے مطالعہ اور عبادت و اذکار میں وقت بسر کرتی تھی۔ اس کی ایک اہم یادگار شاہجہاں آباد میں ہے۔ یہ 1122ھ میں اس کی تعمیر کی گئی ایک مسجد، زینت المساجد ہے۔ اس کی وفات کا بھی یہی سال ہے۔ یہ مسجد مکمل

OPEN ACCESS
CC BY

طور پر سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے۔ اس کے تین برج ہیں، جو سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں۔ اس میں بڑی خوبصورتی سے سنگ موسی کی حسین دھاریاں بنائی گئی ہیں۔ اس مسجد کے دو مینارے ہیں، جو بہت بلند ہیں، اور دور دور سے نظر آتے ہیں۔ اس مسجد کا ایک بڑا در ہے، اور باقی چھے چھوٹے در ہیں۔ مسجد کے صحن میں حوض ہے، جس کا پانی ایک کنویں سے آتا تھا، لیکن اب کنواں بند ہے۔(55)

شہزادی زینت النساء نے 1700ء میں اپنے نام پر یہ مسجد، زینت المساجد، اپنے خرچ پر بنوائی تھی۔ یہ پایہ تخت دہلی کے مشہور لال قلعہ کی ندی کے کنارے ہے، اسے دیوار کے ذریعے تعمیر کیا گیا۔ شہزادی یہیں مدفون ہے۔(56)

شہزادی ایک سوتیلا بھائی، جو کہ سب سے چھوٹا بھی تھا، محمد کام بخش نامی تھا۔ شہزادی اس کی بہت حمایت کرتی تھی۔ اس نے کئی مواقع پر اسے بچانے کے لیے اپنے والد عالمگیر بادشاہ سے معافی حاصل کی۔ اس کا اپنا بھائی اعظم شاہ، اس بات کو پسند نہ کرتا تھا۔ اپنے والد کی حکومت کے آخری عرصہ میں شہزادی محل میں اکیلی رہی۔ جنوبی ہند میں دکن پر یلغار کے دوران وہ بادشاہ کو اہم مشورے دیتی رہی۔ اورنگ زیب بادشاہ 1707ء میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد بھی کئی سال یہ زندہ رہی۔ اس نے اپنی بقیہ عمر میں والد بادشاہ کے کئی جانشینوں کا دور دیکھا۔ وہ اس کا بہت احترام کرتے رہے۔(57)

نواب شجاعت خاں کی بیگم فخر النساء خانم بھی بڑی نیک دل اور سخی خاتون تھی۔ اس نے 1142ھ میں شاہجہان آباد کے شہر کے اندر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ یہ کشمیری دروازے کے پاس ہے۔ اگرچہ یہ مسجد اتنی زیادہ بڑی نہیں، لیکن یہ بہت ہی ترتیب سے اور خوش قطع بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے پیارے پیارے گنبد، اپنی خوش وضع کے لحاظ سے مقبول و معروف ہیں۔ اس مسجد کے اندر ہر طرف بہت نفیس انداز سے سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔(58)

بی بی اچھوت کوکی کی مسجد 1474ء میں تعمیر ہوئی۔ یہ احمد آباد کے شمال میں حاجی پور میں واقع ہے اور اس عہد کے فنِ تعمیر کا یہ عمدہ نمونہ ہے۔(59)

امرتسر کی ایک ناچنے والی لڑکی گل بہار بیگم کی شادی 1832ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ہوئی تھی۔ گل بیگم نے برطانوی گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹک سے ملاقات کے وقت مہاراجہ کے انگریز مہمانوں کے سامنے رقص کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے گولڈن ٹیمپل کا دورہ ایک ایسی خاتون سے شادی کرنے کے جرم میں کیا جس کی حیثیت

OPEN ACCESS

اس سے میل نہیں کھاتی تھی۔ اس کی اپنی اولاد نہ تھی، اس لیے اس نے ایک مسلمان لڑکے کو گود لیا، جس کی اولاد اب بھی لاہور میں رہتی ہے۔ اس نے ایک مسجد بھی بنوائی جو ابھی تک موجود ہے۔ گل بہار بیگم مہاراجہ کی بیوہ ہوئی تو انگریزوں نے اسے سالانہ پنشن دی۔ گل بہار بیگم کا انتقال 1863 میں لاہور میں ہوا۔ [60]

لاہور کی ایک مسلم رقاصہ موراری سے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1802ء میں شادی کی تھی۔ 1803ء تا 1809ء میں ایسے سونے اور چاندی کے سکے بھی تھے، جن پر مور پرندے کے پنکھ بنائے گئے تھے۔ انہیں آرسی والی موہر ی یا موراری شاہی سکوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ موراری کے ساتھ رنجیت سنگھ کی رغبت پر سکھوں نے ناراضگی ظاہر کی۔ مہاراجہ کو سری اکال تخت کے جتھیدار نے امرتسر بلوایا تاکہ اس کے طرز عمل کی وضاحت کی جائے، اور اسے سرعام کوڑے مارنے کی سزا سنائی گئی۔ رنجیت سنگھ نے خوشی سے سزا بھگتنے کی پیشکش کی لیکن سوا لاکھ روپے جرمانے کی ادائیگی پر اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس نے موراری کو اگست 1811ء میں پٹھان کوٹ بھیج دیا۔ بعد میں اس کی بہن، مولاری نے اس کی یاد میں پاپڑ منڈی چوک، لاہور میں ایک مسجد بنائی۔ یہ مسجد ی موراری کے نام سے مشہور ہوئی۔ [61]

مسجد نبوی میں معلم یا متعلم بن کر داخل ہونے والوں کی قدر افزائی کی جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

«كان كالمجاهد في سبيل الله» [62]

"وہ اللہ کے راستے میں مجاہد، کی مانند ہے۔"

حوالہ جات

OPEN ACCESS

(1) الصحيح للامام البخاري، رقم الحديث:2554،(5/2)۔

CC BY

(2)شارب، ظہور الحسن، ڈاکٹر، حضرت خواجہ معین الدین چشتی حیات و تعلیمات۔ بک ہوم، لاہور، 2007ء(16)۔

(3) Nizami, Khaleeq Ahmad, "The Life and Times of Shaikh Farid-u'd-Din Ganj-i-Shakar," in Babaji, ed. M. Ikram Chaghatai, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2006 (15).

(4)جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، مطبوعہ رضوی دہلی، 1311ھ(35)۔

(5)نظامی، خلیق احمد، پروفیسر، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، نگارشات، لاہور، 1990ء(136)۔

(6)کرمانی، محمد مبارک، علوی، سیر الاولیاء، خواجہ حسن نظامی، نئی دہلی، س ن(191)۔

(7)الانبیاء:112

(8)سوبڑی زاہد خواتین اور ان کی سردار حضرت فاطمہ بنت محمد ﷺ از مفتی ثناء اللہ محمود(484)۔

(9)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 1978ء(17/303)۔

(10)ایضا(17/312)۔

(11)دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(404)۔

(12)*خاں، علاؤالدین، ڈاکٹر، عہد اورنگ زیب میں علماء کی خدمات، البلاغ پبلیکیشنز، نئی دہلی، 2022ء، (173)۔*

(13)مآثر عالمگیری از مستعد خاں، 1962ء(479)۔

(14)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 1975ء(10/539)۔

(15)الازہری، عبد الصمد، صارم، تاریخ التفسیر، ادارہ علمیہ، لاہور، 1966ء(35)۔

(16)فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، ترجمہ: عبد الحئی خواجہ، المیزان نزشران و تاجران کتب، لاہور، 2008ء(1/175، 178)۔

(17)سالک، علم الدین، دختران ہند، نشریات، لاہور، 2008ء(31، 34، 37)۔

(18)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 1973ء، (10/310)

(19)دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(151)۔

(20)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 1973ء(12/103)۔

(21)*وحیدہ نسیم، عورت اور اردو زبان، غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی، 1979ء(42)۔*

(22)جیراج پوری، محمد اسلم، مولانا، خواتین، سنگم کتاب گھر، دہلی، 1951ء(229)۔

(23)ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السجستاني، سنن أبي داؤد، باب العلم، المکتبۃ العصریہ بیروت، رقم الحدیث: 977(1/85)۔

(24)ندوی، سید سلیمان، مولانا، مقالات شبلی، اعظم گڑھ، 1956ء(4/56)۔

(25)دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(83، 86)۔

CC BY

(26) دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(347)۔

(27) محب الحسن، کشمیر مسلم سلاطین کے عہد میں، مترجم: علی حماد عباسی، صبیح پبلشر، لاہور، 2004ء(356)۔

(28) دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(209)۔

(29) دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(327)۔

(30) بیگم، جہاں آرا، مونس الارواح، پرنٹولوجیانک، نئی دہلی، 2021ء(11)۔

(31) الانبیاء: 69

(32) الانبیاء: 70

(33) الممتحنۃ: 12

(34) الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، ابو القاسم، المعجم الکبیر، دار إحیاء التراث العربي، رقم الحدیث: 7739، 2017ء(8/177)۔

(35) کمبوہ، محمد صالح، عملِ صالح، اردو سائنس بورڈ، لاہور، (2/279)۔

(36) مستعد، محمد ساقی خان: مآثر عالم گیری، مترجم: محمد فدا علی طالب، کراچی، 1962ء(422)۔

(37) سر سید، احمد خان: آثار الصنادید، کانپور، 1904ء(77)۔

(38) اورنگ آبادی، شفیق، گل رعنا، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، س ن، (82)۔

(39) شبلی نعمانی: مقالات، مطبوعۃ اعظم گڑھ، 1904ء(111، 118)۔

(40) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 1975ء(10/536، 37)

(41) الاعظمی، محمد الیاس، ڈاکٹر، آثار شبلی، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، س ن(25)۔

(42) مقالات شبلی از سید سلیمان ندوی(8/88)۔

(43) Munazza Yaqoob, Sofia Hussain, Muslim Women Writers of the Subcontinent (1870-1950), Emel Publications, 2014 (114).

(44) مسلم، ابو الحسین مسلم بن حجاج، القشیری النیشابوری، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، رقم الحدیث: 2699۔

(45) برھانپوری، نظام الدین، الشیخ، الفتاویٰ الھندیہ، کتاب الکراھیہ، الباب الخامس في آداب المسجد، مکتبہ زکریا، دیوبند، (5/371)

(46) صباح الدین، عبد الرحمٰن، سید، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، اعظم گڑھ، 1963(212)۔

(47) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 1989ء(23/189)۔

(48) دختران ہند از علم الدین سالک، 2008ء(98)۔

(49) سر سید، احمد خاں، آثار الصنادید، اردو بازار، جامع مسجد دہلی، 1965ء(286)۔

CC BY

(50) خاں، ہاشم علی، منتخب اللباب، مترجم محمود احمد فاروقی، کراچی، 1963ء(284)۔

(51) آثار الصنادید از سر سید احمد خاں، 1965ء(248،284)۔

(52) صباح الدین، عبدالرحمٰن، سید، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، اعظم گڑھ، 1963(212)۔

(53) آثار الصنادید از سر سید احمد خاں، 1965ء(229)۔

(54) Annie, Krieger-Krynicki, Captive princess: Zebunissa, daughter of Emperor Aurangzeb, Oxford University Press, 2005 (1).

(55) سر سید، احمد خاں، آثار الصنادید، اردو بازار، جامع مسجد دہلی، 1965ء(300)۔

(56) Annemarie Schimmel, Burzine K. Waghmar, The Empire of the Great Mughals: History, Art and Culture, Reaktion Books, 2004 (154).

(57) Jadunath Sarkar, A short history of Aurangzib, 1618-1707, 1979 (282).

(58) آثار الصنادید از سر سید احمد خاں، 1965ء(322)۔

(59) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 1978ء(535/17)۔

(60) Faqir, Waheed-ud-Din, Syed, The Real Ranjit Singh, Karachi, 1965 (45).

(61) Hasrat, B.J. Life and Times of Ranjit Singh. Hoshiarpur, 1977 (23).

(62) صحیح ابن حبان، ذکر التسویہ بین طالب العلم ومعلمہ وبین المجاہد فی سبیل اللہ، دار الفکر ۱/۱۱۰، رقم:۸۷

CC BY